سفرِ ہند............ہنوز دلی دور است

دہلی میں تاریخی مقامات ومزارات بے شمار ہیں۔ مختصر وقت میں پوری دلی کو کھنگالنا اور ہر مقام پر حاضر ہونا ممکن نہیں چنانچہ ہم نے ترجیحی فہرست مرتب کی اور اس کی روشنی میں زیارات وسیاحت کا نقشہ بنایا......ظہر کی نماز ہم نے دہلی کی مشہور مسجد فتح پوری میں ادا کی اس مسجد سے ہمارا ایک خاندانی تعلق ہے اور وہ یہ کہ ہمارے والدِ بزرگوار اس مسجد میں قائم مدرسہ میں بغرض تعلیم کچھ عرصہ مقیم رہے وہ اس کا اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے......یہیں مفتی محمد مسعود صاحب اور پھر مفتی شاہ محمد مظہراللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطابات ہوا کرتے...... یہ مشہور مسجد چاندنی چوک اور لال قلعہ کے سامنے اس سڑک پر پڑتی ہے جو دہلی کی قدیم ترین سڑک ہے اور یہ علاقہ چاندنی چوک کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ مسجد......۱۶۵۰ء میں شاہ جہاں کی اس بیگم کے نام سے بنی جس کا تعلق فتح پور سیکری سے تھا......اور اسے جامع مسجد فتح پوری بیگم کہا جانے لگا۔ برطانوی دور میں مسلمانوں پر جہاں اور مظالم ڈھائے گئے اور مہذب کہلانے والی گوری قوم کی بہت سی کمینگیاں سامنے آئیں وہیں یہ بھی ہوا کہ اس مسجد کو نیلام کردیا گیا اور اسے انیس ہزار روپے میں ایک ہندو لالہ چھونامل نے خرید لیا۔ ۱۸۷۷ میں حکومت نے مسلمانوں کے اصرار پر چار گاؤں جاگیر کے عوض مسجد کو واگزار کرایا اور اسے پھر سے مسجد کا درجہ دیا گیا......دہلی کی مساجد میں اسے پہلی بڑی شاہی مسجد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے......یہ وسیع وعریض مسجد ہے اور سرخ اینٹوں اور پتھر سے بنی ہے......مسجد واقعی عظیم الشان ہے......ہم نے دیر تک اس کے مختلف گوشوں کو دیکھا اور کئی مقامات پر اپنی نماز کو بکھیر دیا......پہلی چار سنت مئذنہ کے پاس' فرض محراب کے قریب' بعد کی دو سنت دالان کے ایک کونے پر اور دو نفل دوسرے کونے پر' برآمدے میں مزید نوافل' کیونکہ ہم نے بچپن سے سن رکھا ہے کہ جس قطعہ زمین پر سجدہ کیا جائے وہ روزِ قیامت گواہی دے گا اور سفارش کرے گا......ہم نے سوچا اس مسجد کے بھی کئی حصوں کو گواہ کرلیا جائے کہ ہم نے یہاں بھی جبہ سائی کی ہے......

ہم نے زمانہء طالبِ علمی میں اپنے چچا جان سے یہ بات سنی تھی......کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز شیخ علی سنجری کی خانقاہ تشریف لے گئے محفلِ سماع ہوئی قوال نے شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا............

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است۔

حضرت کو اس شعر پر وجد آ گیا' دیر تک حال کی کیفیت رہی تا آنکہ بے ہوشی نے جگہ بنائی اور اسی حال میں آپ کو گھر لایا گیا قوال بھی ساتھ ہی آ گیا تین دن رات تک اس شعر کی تکرار جاری رہی اور وجد بھی جاری رہا تا آنکہ ہر بن و مو سے خون ٹپکنے لگا اسی وجد کی کیفیت میں استغراقی کیفیت پیدا ہوئی اور اسی میں وصال فرمایا......اسی روز سے ہمیں اشتیاق تھا کہ ان بزرگ کی ہم زیارت کریں گے' چنانچہ......وہ لمحاتِ منتظرہ آ گئے اور ہم نے ۱۰ فروری (۱۹۸۳) کو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی یہ ولی کے جس علاقہ میں واقع ہے اسے مہرولی کہا جاتا ہے۔ حضرت کے مزار شریف کی چار دیواری سنگ مرمر کی ہے' آس پاس سینکڑوں قبریں ہیں جن میں بڑی تعداد میں صوفیاء و اولیاء اللہ کے مزارات ہیں......

حضرت کا مزار (قبر) مبارک طول و عرض میں کافی کشادہ ہے تصوف کی بعض کتب کی روایات کے مطابق آپ کے خلیفہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں جہاں مٹی کی ٹوکریاں سر پر لا لا کر ڈالی تھیں وہیں رہ گئیں انہیں ہموار کر کے کوہان دار قبر کی شکل نہیں دی گئی......قریب ہی ایک مسجد ہے جسے مسجد اولیاء کہا جاتا ہے روایت ہے کہ اس مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری چشتی' خواجہ فرید الدین شکر گنج اور حضرت نظام الدین اولیاء بھی تشریف فرما ہوئے......حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو حضرت فرید الحق والدین نے جب خلافت سے سرفراز فرمایا تو اپنے مرشد خواجہ بختیار کی دستار ان کے سر پر رکھی......

خواجہ قطب الدین بختیار......ماوراءالنہر (رشین ریاستوں) کے علاقہ اوش کے رہنے والے ہیں۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا......والدہ محترمہ نے تربیت کی ذمہ داری سنبھالی۔ اوراوجِ کمال کے راستے پر گامزن کیا......تربیت کا یہ اثر تھا کہ عین عنفوان شباب میں ہر رات سونے سے قبل تین ہزار بار درود شریف پڑھتے......اپنے گاؤں اوش میں شادی ہوئی......شادی کی اوائل تین راتوں میں یہ وظیفہ نہ ہوسکا......آپ کا ایک مرید (احمد رئیس) خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا' تو حضور ﷺ نے فرمایا: بختیار کاکی کو میرا اسلام کہنا اور ان سے یہ کہنا کہ ہر رات جو تحفہ تم مجھے بھیجتے تھے وہ مجھے مل جاتا تھا لیکن گزشتہ تین رات سے نہیں مل رہا......مرید نے صبح حاضرِ خدمت ہو کر خواب سنایا اسی وقت اہلیہ کو طلب کیا حق مہر ادا کیا اور گھر بار چھوڑ چھاڑ ہندوستان چلے آئے......

کشف کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ شمس الدین التمش نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ گھوڑے پر

☆ایاک وتجریح الاشخاص والھیئات ،وکن سلیم اللسان،طیب الکلام ،عذب الالفاظ ،مامون الجانب.☆

سوار آئے ہیں اور فرماتے ہیں تم حوض بنانا چاہتے ہوناں؟ یہاں بناؤ جہاں میں کھڑا ہوں...... بادشاہ بیدا ہوا مگر جگہ ذہن سے نکل گئی...... حضرت قطب صاحب کو پیغام بھیجا کہ خواب سنانے کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہوں اجازت ہو.......... حضرت نے پیغام لانے والے سے فرمایا مجھے معلوم ہے بادشاہ کو رات کو حضور کی زیارت ہوئی حضور ﷺ نے حوض بنانے کا اشارہ دیا' بادشاہ کو حوض بنانے کا مقام یاد نہیں رہا......اس سے کہو ہم وہیں جا رہے ہیں جہاں حضور ﷺ گھوڑے پر تشریف فرما تھے...... آجاؤ...... حضرت قطب عالم وہاں پہنچے حضور ﷺ کے گھوڑے کے سم کا نشان موجود تھا......آپ نے وہاں دوگانہ ادا کیا بادشاہ بھی آ گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے اس جگہ کو پہچان لیا کہ ہاں یہیں حضور تشریف لائے تھے...... چنانچہ وہاں حوض بنایا گیا۔

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ بڑے پائے کے عالم دین اور اللہ کے کامل ولی اور ولیوں کے امام تھے۔ ربیع الاول ۶۳۵ ہجری میں وصال فرمایا۔ وصال کے بعد جنازہ تیار ہوا تو مولانا ابوسعید نے اعلان کیا کہ حضرت نے ہمیں وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ پڑھائے جس نے کبھی اپنا ازار حرام کاری کے لئے نہ کھولا ہو اور عصر کی سنتیں اور تکبیر اولی کبھی ترک نہ کی ہو...... اکابر مشائخ کی موجودگی میں کسی نے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کی سب فقرا ایک دوسرے کی جانب دیکھا کئے...... کچھ تامل کے بعد سلطان شمس الدین التمش آگے بڑھا اور یہ کہتے ہوئے امامت کے لئے تیار ہو گیا کہ میں چاہتا تھا کہ میری حالت کسی پر ظاہر نہ ہو لیکن جب خواجہ کی یہی مرضی ہے تو پھر چارہ بھی نہیں...... جنازہ پڑھانے کے بعد بادشاہ نے جنازے کا جھولا ایک جانب سے خود اٹھایا اور تین اطراف سے اولیاء وفقراء نے......سلطان حضرت کا نہ صرف معتقد بلکہ مرید وخلیفہ بھی تھا..........

مزار شریف پر فاتحہ خوانی کی اپنے بزرگوں (والدِ گرامی و چچا جان) کے سلام پیش کئے کہ دونوں کی ہدایت تھی...... کچھ دیر یہاں رک کر تلاوت کی اور آس پاس موجود دیگر مزارات کی زیارت کی......

دلی کا قطب مینار رقطب لاٹ بھی دیکھنے کی شئی ہے مگر اس کا تعلق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے نہیں بلکہ قطب الدین ایبک سے ہے......قطب الدین ایبک نے افغانستان کے جامی مینار سے متاثر ہو کر اس کی تعمیر شروع کی تھی ساڑھے بہتر (72.5) میٹر بلند یہ مینار دراصل ایک مسجد کا مینار ہے قطب الدین ایبک اس مسجد کے اسی طرح کے دو مینار تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور ابھی اس مینار کا صرف پیندا (Base)

ہی تیار کروا پایا تھا کہ اسے پیغام اجل آ گیا۔ چنانچہ اس کی تعمیر کا کام اس کے جانشین التمش نے مکمل کیا۔۱۱۹۳ءمیں تعمیر ہونے والے اس مینار کی ۳۷۹ سیڑھیاں ہیں سرخ رنگی اینٹوں سے یہ مینار تعمیر ہوا اور اس پر آیات طیبات اس شان سے کندہ کی گئی ہیں کہ کہیں کندہ ہیں تو کہیں ابھری ہوئی ہیں......اسلامی طرز تعمیر کا یہ ایک حسین شاہکار ہے۔ہم نے اس سے قبل اس شان کا مینار کہیں نہ دیکھا تھا......

حضرت قطب صاحب کی زیارت سے فارغ ہوکر ہمایوں کے مقبرہ کی طرف جانا ہوا یہ ہندوستان کے بادشاہوں میں سے عظیم بادشاہ ہوا ہے مگر آج اس کے مقبرے پر کوئی فاتحہ خوانی کرنے والا بھی نہیں......

بعدازاں حضرت خواجہ شاہ نصیرالدین چراغ دہلی کے مزار مبارک پر حاضری دی۔انہیں چراغ دہلی کہنے کی خاص وجہ ہے جو اپنے جیسے طلبہ کے لئے عرض کرنا ضروری ہے......شاہ نصیرالدین محمود چراغ دہلی حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے خلیفہ اعظم ہوئے ہیں......

یہیں محلّہ شاہ چراغ میں ہم نے اس مکان کی تلاش بھی کی جس میں کبھی ہمارے بزرگوار (والدگرامی) رہا کرتے تھے مگر اب صورتحال بدل چکی ہے......شہر کا نقشہ ہی بدل گیا......کوئی بتانے والا بھی نہیں......حضرت شاہ نصیرالدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے اردگرد زیادہ تر ہندوؤں کے مکانات ہیں......ہم مزار شریف پر فاتحہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک اور شخص بھی گنبد کے اندر بیٹھا تھا جب وہ فارغ ہوا تو ہم نے اس سے پوچھا قبلہ رخ کس طرف ہے تو اس نے کہا میں تو بالکا ہوں مجھے نہیں معلوم صاب قبلہ کیا ہووے..........اس کی بات سن کر اندازہ ہوا کہ ہندو ہے کسی غرض سے آیا ہے.....مزار شریف اور گنبد کے اندرونی وبیرونی معاملات دیکھ کر افسوس ہوا کہ محکمہ اوقاف کی توجہ اس طرف نہیں......صفائی کا بھی کوئی انتظام نہ تھا......مگر صوفیاء کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ جس جہاں میں محو سیر ہوتے ہیں وہاں کی نعمتوں کے سامنے دنیا کے گنبد و سنگ مرمر سب ہیچ ہیں......کسی نے صفائی کردی تو کیا اور نہ کی تو کیا......ان کے تو دل کی صفائی ہو چکی ہوتی ہے سو وہ بعداز وصال جہاں رہتے ہیں شان سے رہتے ہیں قبر پر کچھ بھی ہوتا رہے..........تاہم بعض بڑے حساس بھی ہوتے ہیں کہ قبر بھی بے رونق کیوں رہے......؟

حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی......کون ہیں۔آبائی طور پر آپ خراسانی ہیں آپ کے دادا شیخ عبداللطیف سیزدی خراسان سے لاہور آ کر مقیم ہوئے تھے......والدِ گرامی نے اودھ میں قیام اختیار فرمایا وہیں حضرت شاہ نصیرالدین محمود کی ولادت باسعادت ہوئی......نو سال کے تھے کہ والدگرامی کا سایہ

☆انفرد بنفسک ساعۃ تدبر فیھا امورک وتراجع فیھا نفسک ،وتتفکر فی آخر تک،وتصلح بھا دنیاک۔☆

سر سے اٹھ گیا.....۴۳ سال کی عمر میں دہلی وارد ہوئے اور یہیں قیام فرمایا حضرت سلطان المشائخ سے دہلی میں تکمیل اسباق تصوف کی اور پھر مرجع خلائق ہوئے.....۷۵۷ ہجری میں بعہدِ سلطان فیروز شاہ وصال ہوا.....الحمد للہ کہ اللہ رب العزت نے آپ کے مزار مبارک کی حاضری کی سعادت عطا کی.....ایک بار ایک سید صاحب مرید ہونے آئے ملازمتِ شاہی میں محرر تھے.....مگر قرآن کریم کی تلاوت میں اکثر مشغول رہتے تھے.....آپ نے ان کے بارے میں فرمایا اگر کوئی گھر یا راستہ میں چلتے شب وروز قرآن پڑھتا رہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے تو اس کے لئے نوکری حجاب نہیں وہ صوفی ہے ......اس موقع پر شیخ سعدی کا ایک شعر آپ نے پڑھا' آپ کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہوئے اس شعر سے راقم کو بہت مناسبت ہے......

مرادِ اہل طریقت لباسِ ظاہر نیست کمر بخدمتِ سلطان بہ بند وصوفی باش

ہم غریبوں کی صوفیت بھی کچھ ایسی ہی ہے کہ دن بھر نوکری میں رہتے ہیں اور صوفی بننے کی خواہش بھی گدگدیاں کرتی رہتی ہے.....حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے ملفوظات میں ہم نے ایک بات پڑھی تھی جس سے یہ اندازہ ہوا کہ بعض مزارات پر لوگ دھاگے کیوں باندھتے ہیں ورنہ اس سے قبل ہم بھی اسے معیوب ہی خیال کرتے تھے وہ بات یہ تھی کہ.....ایک بار سلطان علاؤالدین کا ذکر آپ کی مجلس میں چھڑ گیا حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ لوگ اس کی قبر کی زیارت کو جاتے ہیں اور اپنی مراد کے لئے رسی اس کے مزار پر باندھ آتے ہیں' اللہ ان کی حاجتیں برلاتا ہے۔اپنا قصہ بیان کیا کہ میں سلطان علاءالدین کے مزار پر گیا تھا بعد نماز جمعہ کے فاتحہ پڑھ کر اگر چہ مجھ کو کچھ حاجت نہ تھی مگر میں اپنی دستار سے ایک دھاگا نکال کر وہاں باندھ آیا۔رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی پکارتا ہے کہ سلطان علاؤالدین کی قبر پر کون شخص حصول مراد کے لئے رسا باندھ گیا ہے' اس کے چند بار پکارنے پر میں روبرو گیا اور کہا میں نے دھاگا باندھا ہے۔بولا تیری کیا حاجت ہے بیان کر۔میں نے کہا کوئی حاجت نہیں کیا بیان کروں؟۔اور دل میں گزرا کہ جو مجھے حاجت ہے اس کے لئے روضہء شیخ ہی کافی ہے غیر سے کیوں مانگوں۔اسی حال میں آنکھ کھل گئی..........اس حکایت کے بعد سے راقم کا خیال بدل گیا اور یہ ذہن نشین ہوا کہ دھاگے باندھنے کے رواج کی بھی کوئی اصل ہے..........اگر چہ یہ عمل کچھ مسنون نہیں......

......(سفر جاری ہے)

☆مکتبتک المنزلیة ھی بستانک الوارف وحلیقتک الخضراء بختزہ فیھا مع العلماء والحکماء والادباء والشعراء.☆